THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

راشد الخیری کے افسانوں میں المیاتی عناصر۔۔۔ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ

Tragic Elements in the Short Stories of Rashid-ul-Khairi: A Research and Critical Analysis

تیمور علی

سکالر پی۔ایچ ڈی اُردو

ڈاکٹر مزمل حسین

ایسوسی ایٹ پروفیسر آف اُردو، شعبہ اردو قرطبہ یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

ABSTRACT:

Rashid-ul-Khairi holds a significant position in Urdu literature as a short story writer, novelist, poet, and social reformer. His literary works primarily focus on social issues, particularly the sufferings of women, the influence of rigid social customs, gender discrimination, and the lack of educational opportunities for women. His portrayal of human suffering and emotional distress earned him the title of "Musawwir-e-Gham" (the Painter of Sorrow). His short stories reflect the social realities of his time and highlight the hardships experienced by women, especially those belonging to the Muslim middle class. Through his literary expression, he sought to expose social injustices and promote moral and social reform.

This research paper, entitled "Tragic Elements in the Short Stories of Rashid-ul-Khairi: A Research and Critical Analysis," examines the various manifestations of tragedy in his short fiction. It explores themes such as sorrow, pain, deprivation, helplessness, separation, emotional distress, and psychological suffering. Particular attention is given to the representation of female characters and the ways in which social traditions, domestic circumstances, gender inequalities, and restricted educational opportunities contribute to their tragic experiences. The study also considers the relationship between tragic expression, characterization, narrative techniques, and the author's reformist vision. Through a critical examination of these aspects, the research aims to understand how Rashid-ul-Khairi transforms individual suffering into a broader reflection on social injustice and human vulnerability.

The study concludes that tragic elements constitute an important dimension of Rashid-ul-Khairi's short stories. His depiction of sorrow is not merely intended to evoke sympathy or emotional response; it also draws attention to the social conditions that produce suffering and inequality. The experiences of his characters, particularly women, reveal the consequences of restrictive customs and unjust social attitudes. Although emotional intensity and pathos are prominent features of his narrative style, they also serve his broader purpose of social awareness and reform. Therefore, an examination of tragic elements in his short stories provides valuable insight into his literary technique, humanitarian concerns, and contribution to the tradition of socially conscious Urdu fiction. -۴Key Words (Roman Urdu)

Key Words: *Rashid-ul-Khairi, Afsanvi Adab, Almiya, Almiati Anasir, Dukh-o-Dard, Jazbati Karb, Aurat ki Mazloomiyat, Samaji Na-insafi, Kirdar Nigari, Islah-e-Muashra, Tanqeedi Jaiza.*

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

اردو ادب کی تاریخ میں راشد الخیری کو ایک اہم افسانہ نگار، ناول نگار، شاعر اور مصلح کی حیثیت حاصل ہے۔ ان کا اصل نام عبد الراشد تھا، جب کہ ادبی دنیا میں وہ راشد الخیری کے نام سے معروف ہوئے۔ ان کی ادبی خدمات کا نمایاں پہلو معاشرتی اصلاح، خصوصاً خواتین کی مظلومانہ زندگی، معاشرتی ناہمواریوں اور فرسودہ رسوم و رواج کی عکاسی ہے۔ راشد الخیری نے اپنے افسانوی ادب کے ذریعے اس عہد کے معاشرے کی ان تلخ حقیقتوں کو اجاگر کیا جن کے باعث عورت کو اس کے جائز حقوق اور مقام و مرتبے سے محروم رکھا جاتا تھا۔ وہ خواتین کی تعلیم، ان کے حقوق، ان کی نفسیاتی کیفیات اور ان کے ساتھ روا رکھے جانے والے امتیازی سلوک کے بارے میں گہرا احساس رکھتے تھے۔ یہی احساس ان کی تحریروں میں اصلاحی شعور اور انسانی ہمدردی کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ ان کے ادبی اسلوب میں غم، درد، محرومی اور رقت آمیز کیفیات کی کثرت کے باعث انھیں "مصورِ غم" بھی کہا جاتا ہے۔

المیہ انسانی زندگی کا ایک ایسا پہلو ہے جو دکھ، محرومی، جدائی، بے بسی، ناکامی اور ذہنی کرب کی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ ادب میں المیاتی عناصر محض رنج و غم کی عکاسی تک محدود نہیں رہتے، بلکہ ان کے ذریعے انسانی نفسیات، معاشرتی تضادات، ناانصافیوں اور زندگی کی پیچیدہ حقیقتوں کو بھی نمایاں کیا جاتا ہے۔ راشد الخیری کے افسانوں میں یہ عناصر خاص طور پر خواتین کی زندگی کے حوالے سے سامنے آتے ہیں، جہاں معاشرتی پابندیاں، گھریلو مسائل، تعلیم سے محرومی، ازدواجی زندگی کی مشکلات اور فرسودہ روایات کرداروں کے لیے ذہنی و جذباتی اذیت کا سبب بنتی ہیں۔ ان کے ہاں عورت کی بے بسی، اس کے جذبات کی پامالی، رشتوں کی ناہمواری اور امیدوں کے ٹوٹنے جیسے موضوعات کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ قاری نہ صرف کرداروں کے دکھ درد سے متاثر ہوتا ہے بلکہ معاشرتی رویوں پر غور کرنے پر بھی مجبور ہوتا ہے۔ اس طرح ان کے افسانوں میں المیہ ایک جذباتی کیفیت کے ساتھ ساتھ معاشرتی شعور بیدار کرنے کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔

زیرِ نظر تحقیقی مقالے "راشد الخیری کے افسانوں میں المیاتی عناصر: ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ" کا بنیادی مقصد راشد الخیری کے منتخب افسانوں میں موجود المیاتی کیفیات کا مطالعہ کرنا اور ان کے فنی، فکری اور معاشرتی پہلوؤں کا تجزیہ پیش کرنا ہے۔ اس تحقیق میں یہ جائزہ لیا جائے گا کہ افسانہ نگار نے کرداروں کی زندگی میں دکھ، درد، کرب، محرومی، جدائی، بے چینی اور بے بسی کو کن فنی وسائل کے ذریعے پیش کیا ہے اور یہ عناصر ان کے افسانوی اسلوب کو کس طرح متاثر کرتے ہیں۔ مزید برآں، خواتین کے کرداروں، معاشرتی رسوم و رواج، طبقاتی رویوں اور اصلاحی مقاصد کے تناظر میں المیاتی عناصر کی معنویت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس مطالعے کے ذریعے راشد الخیری کے افسانوی ادب میں انسانی ہمدردی، معاشرتی اصلاح اور جذباتی اثر آفرینی کے باہمی تعلق کو واضح کرنا مقصود ہے، تاکہ ان کی افسانہ نگاری کے ایک اہم فکری و فنی پہلو کی تفہیم ممکن ہو سکے۔ راشد الخیری (پ 1868ء) اردو کے ایک ایسے منفرد اور اہم افسانہ نگار ہیں کہ وہ اپنے بیشتر کرداروں کو کہیں نہ کہیں "رقت" کے دائرے میں ضرور لاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ دُکھ، غم اور المیوں کے افسانہ نگار کہلاتے ہیں۔

راشد الخیری اردو افسانے کی ابتدائی روایت کے ان ممتاز ادیبوں میں شامل ہیں جنھوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے معاشرتی ناہمواریوں، خاندانی مسائل اور بالخصوص خواتین کو درپیش مسائل کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ ان کے افسانوں میں المیہ محض واقعاتی سطح پر موجود نہیں بلکہ گہرے المیے اور اصلاحی فکری تقاضوں کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اُنھوں نے انسانی زندگی کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا جہاں ظلم، محرومی، ناانصافی اور جذباتی کرب فرد کی زندگی کو متاثر کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی افسانہ نگاری میں درد و غم کی ایسی فضا پیدا ہوتی ہے جو قاری کو نہ صرف متاثر کرتی ہے بلکہ معاشرتی حقائق پر غور کرنے کی دعوت بھی دیتی ہے۔ راشد الخیری نے خصوصاً عورت کی زندگی میں موجود مسائل کو اپنا موضوع بنایا اور ان سماجی رویوں پر تنقید کی جو خواتین کے استحصال اور محرومی کا سبب بنتے ہیں۔

راشد الخیری کے افسانوں کا سب سے نمایاں "المیاتی" پہلو خواتین کی مظلومیت اور بے بسی ہے۔ ان کی کہانیوں میں عورت اکثر ایسے حالات سے دوچار نظر آتی ہے جن میں اس کی خواہشات، جذبات اور حقوق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ وہ اپنی محبت، ایثار اور وفاداری کے باوجود دکھ اور محرومی کا شکار رہتی ہے۔ اس صورتِ حال سے

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

ایک ایسا "المیاتی" منظر نامہ تشکیل پاتا ہے جس میں فرد اپنی کسی ذاتی غلطی کے باعث نہیں بلکہ معاشرتی ناانصافیوں اور فرسودہ روایات کی وجہ سے مصائب کا سامنا کرتا ہے۔ یہی خصوصیت راشد الخیری کے افسانوی المیے کو انفرادی کے بجائے اجتماعی اور سماجی المیہ بنا دیتی ہے۔

ان کے افسانوں میں سماجی جبر اور حالات کی سنگینی بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بہت سے کردار ایسے مسائل میں گھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جہاں ان کی ذاتی خواہشات اور کوششیں بے اثر ہو جاتی ہیں۔ غربت، طبقاتی تفریق، بیٹیوں کے ساتھ امتیازی سلوک اور عورت کی کم تر حیثیت جیسے عوامل ان کرداروں کی زندگیوں کو کرب اور اذیت سے بھر دیتے ہیں۔ قاری جب ان کرداروں کے حالات کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے اندر ہمدردی اور ترحم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، جو المیے کی بنیادی خصوصیات میں شمار کیے جاتے ہیں۔

خاندانی تعلقات کی شکست وریخت بھی راشد الخیری کے افسانوں کا ایک اہم المیاتی عنصر ہے۔ ان کے ہاں خاندان، جو بظاہر محبت اور تحفظ کی علامت ہونا چاہیے، اکثر ظلم، بے اعتنائی اور ناقدری کا مرکز بن جاتا ہے۔ والدین اور اولاد، میاں بیوی یا دیگر رشتہ داروں کے درمیان پیدا ہونے والی دوریاں اور ناانصافیاں نہ صرف افراد کی زندگیوں کو متاثر کرتی ہیں بلکہ پورے خاندانی نظام کی کمزوریوں کو بھی آشکار کرتی ہیں۔ اس طرح ان کے افسانوں میں ذاتی دکھ ایک وسیع سماجی مسئلے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ نجم السحر اعظمی کے مطابق:

> "راشد الخیری نے عورت کے مسائل کو عورت کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کی اور پہلی مرتبہ اردو ادب کو عورت کی ذہنی، جذباتی اور معاشرتی زندگی کا حقیقی آئینہ دار بنایا۔ اس طرح ان کی تحریروں نے اردو افسانے کو محض تفریحی یا رومانی ادب کے دائرے سے نکال کر ایک مؤثر سماجی اور اخلاقی قوت میں تبدیل کر دیا۔ ان کے افسانوں میں مقصدیت، اصلاح پسندی اور انسانی ہمدردی اس انداز سے یکجا ہو جاتی ہیں کہ وہ اردو افسانے کی ارتقائی تاریخ میں ایک منفرد مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی بنا پر متعدد محققین انھیں اردو کے اولین اور اہم ترین افسانہ نگاروں میں شمار کرتے ہیں اور ان کی خدمات کو اردو افسانے کی سماجی بنیادوں کی تشکیل میں بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔"[1]

نجم السحر اعظمی کی رائے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ راشد الخیری نے خواتین کے مسائل کو محض خارجی مشاہدے کی بنیاد پر بیان نہیں کیا بلکہ ان کی باطنی کیفیات، جذباتی الجھنوں اور سماجی تجربات کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے اور پیش کرنے کی کوشش کی۔ ان کی تخلیقات میں عورت ایک زندہ اور متحرک کردار کے طور پر ابھرتی ہے جس کی زندگی کے مختلف پہلو حقیقت پسندانہ انداز میں نمایاں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں نے اردو ادب میں خواتین کے مسائل اور احساسات کی نمائندگی کو ایک نئی سمت عطا کی۔ اعظمی کے نزدیک راشد الخیری کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے افسانے کو محض تفریح یا رومانوی دلچسپی کا ذریعہ بنانے کے بجائے اسے معاشرتی شعور اور اخلاقی بیداری کے فروغ کے لیے استعمال کیا۔ ان کے افسانوں میں عورتوں کو درپیش ناانصافیاں، معاشرتی پابندیاں اور گھریلو مسائل نہایت مؤثر انداز میں پیش ہوتے ہیں۔ تاہم ان کا مقصد صرف مسائل کی نشاندہی نہیں بلکہ معاشرے میں اصلاح اور بہتری کی راہیں تلاش کرنا بھی ہے۔

راشد الخیری کے کردار داخلی سطح پر بھی شدید کشمکش اور ذہنی اذیت کا شکار ہوتے ہیں۔ احساسِ محرومی، تنہائی، خوف، مایوسی اور بے بسی جیسی کیفیات ان کی شخصیت کا حصہ بن جاتی ہیں۔ بالخصوص خواتین کے کردار خاموشی سے مصائب برداشت کرتے ہوئے ایک گہرے نفسیاتی المیے سے گزرتے ہیں۔ یہ داخلی کرب ان کے افسانوں کو محض اصلاحی ادب کے دائرے تک محدود نہیں رکھتا بلکہ انھیں نفسیاتی اعتبار سے بھی اہم بنا دیتا ہے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

معاشرتی رسوم ورواج کی تباہ کاریوں کو بھی راشد الخیری نے اپنے افسانوں میں نمایاں طور پر پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک بعض رواج اور روایات انسانی زندگی کے لیے زنجیر بن جاتی ہیں اور فرد کو خوشیوں سے محروم کر دیتی ہیں۔ جہیز، کم عمری کی شادی، عورت کی محکوم حیثیت اور وراثتی ناانصافی جیسے مسائل ان کے افسانوں میں المیے کے بنیادی اسباب کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اس تناظر میں ان کے افسانے صرف جذباتی کہانیاں نہیں بلکہ معاشرتی اصلاح کا ایک مؤثر وسیلہ بھی ہیں۔

راشد الخیری نے "المیاتی" فضا پیدا کرنے کے لیے سادہ مگر مؤثر طرزِ بیان اختیار کیا ہے۔ جذباتی منظر نگاری، مؤثر مکالمے، کرداروں کی نفسیاتی کیفیت کی عکاسی اور واقعات کی تدریجی پیش کش ان کے فن کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان عناصر کے ذریعے وہ قاری کو کرداروں کے دکھ میں شریک کر دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایک گہرا جذباتی اثر پیدا ہوتا ہے۔

راشد الخیری کے افسانے المیاتی عناصر سے بھرپور ہیں۔ عورت کی محرومی، سماجی ناانصافی، خاندانی جبر، نفسیاتی اذیت اور فرسودہ روایات ان کے افسانوی دنیا کے بنیادی موضوعات ہیں۔ اُنھوں نے ان مسائل کو نہایت حساسیت اور فنی مہارت کے ساتھ پیش کیا، جس کی بدولت ان کی افسانہ نگاری اردو ادب میں سماجی المیے کی ایک مضبوط اور مؤثر روایت کی نمائندگی کرتی ہے۔ افسانہ "لال کی تلاش" سے اقتباس:

> "شعبانہ کی حالت دیکھ کر غیروں کو رحم آتا تھا۔ ایک ایک کی صورت دیکھتی اور روتی۔ اس درد سے بچہ کو یاد کرتی تھی کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے۔ احسن کو بچھڑے ہوئے دو سوا دو برس ہو گئے مگر اس کا صدمہ ہر وقت تازہ تھا۔ اس کے میلے کچیلے کپڑے منہ پر ڈال کر لیٹ جاتی اور روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ تصویر ہاتھ میں لی اور الگ تھلگ جا پڑی۔ سینا پر کھتی آنکھوں سے لگاتی، غور سے دیکھتی اور دیکھتے دیکھتے چیخ مارتی اور کہتی: 'ہائے میاں کہاں چلا گیا'۔"[۲]

اس افسانہ میں راشد الخیری نے المیے کی مختلف جہات نہایت گہرائی کے ساتھ نمایاں کی ہیں۔ شعبانہ اپنے بیٹے احسن کی جدائی کے ایسے صدمے سے دوچار ہے جس نے اس کی زندگی کو مسلسل غم اور اذیت کا استعارہ بنا دیا ہے۔ وقت گزرنے کے باوجود اس کے دل میں بیٹے کی جدائی کا درد کم نہیں ہوا بلکہ پہلے کی طرح تازہ اور شدید ہے۔ یہی مستقل رنج والم کردار کی داخلی شکستگی اور نفسیاتی کرب کو آشکار کرتا ہے۔ شعبانہ کی حالت اس قدر قابلِ رحم ہو چکی ہے کہ اس کا دکھ دوسروں کے دلوں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ اس کی آہ وزاری اور بیٹے کی یاد میں بہائے جانے والے آنسو اس غم کی شدت کو نمایاں کرتے ہیں جس نے اس کی شخصیت کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

اس افسانہ کا ایک اہم المیاتی پہلو شعبانہ کی بے چارگی اور بے بسی ہے۔ وہ اپنی محرومی کا کوئی مداوا نہیں کر سکتی اور صرف یادوں کے سہارے زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ اس کی ظاہری خستہ حالی اور گوشہ نشینی دراصل اس کے باطنی اضطراب اور ذہنی انتشار کی عکاس ہیں۔ بیٹے کی تصویر کو سینے سے لگانا، اسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنا اور پھر شدتِ جذبات سے چیخ اٹھنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کا غم وقتی نہیں بلکہ اس کی پوری ہستی پر محیط ہو چکا ہے۔ یہاں ماں کی محبت اور جدائی کا درد ایک ایسا المیاتی منظر تشکیل دیتے ہیں جو قاری کے احساسات کو جھنجھوڑ دیتا ہے۔ مرزا حامد بیگ کے بقول:

> "راشد الخیری کا اصل ادبی کارنامہ عورت کے مسائل کو اردو نثر کا مستقل موضوع بنانا اور اس کی خاموش صداؤں کو مؤثر ادبی آواز میں تبدیل کرنا ہے۔ اُنھوں نے عورت کی زندگی کے المیے کو صرف بیان نہیں کیا بلکہ اس کے پس منظر میں موجود سماجی، ثقافتی اور اخلاقی عوامل کو بھی بے نقاب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں اپنے عہد کی اصلاحی دستاویز ہونے کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں نسوانی شعور کے ارتقا کا ایک اہم سنگِ میل بھی تصور کی جاتی ہیں۔"[۳]

یادِ ماضی بھی اس افسانہ کے المیاتی تاثر کو گہرا کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ احسن کی تصویر شعبانہ کے لیے گزرے ہوئے خوشگوار لمحوں کی علامت ہے، مگر یہی یادیں اس کے زخموں کو مندمل کرنے کے بجائے مزید تازہ کر دیتی ہیں۔ ماضی کی خوشیوں اور حال کی محرومی کے درمیان یہ تضاد المیے کی شدت میں اضافہ کرتا ہے۔ مجموعی

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

طور پر یہ اقتباس ماں کی ممتا، جدائی کے درد، بے بسی، تنہائی، نفسیاتی اذیت اور یادِ ماضی جیسے عناصر کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ قاری کے اندر ہمدردی، رحم اور غم کے گہرے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، جو کسی بھی کامیاب المیے کی بنیادی خصوصیت سمجھے جاتے ہیں۔ ایک اور اقتباس اسی افسانہ سے:

> ''دن گزر گئے مہینے نکل گئے باغوں میں پودے لگے پودوں میں کلیاں آئیں کلیوں سے پھول بنے مگر شعبانہ کے دل کی کلی ایسے مرجھائے کہ پھر کھلنی نصیب نہ ہوئی وہ تھی اور احسن کی یاد۔ اس کے ننھے منے کپڑے اور چھوٹے چھوٹے کھلونے اٹھاتی، سر اور آنکھوں پر رکھتی، دیکھتی اور کلیجے میں تیر لگتے۔ سب سمجھاتے، تسلی دیتے، دل بہلاتے مگر صبر تو در کنار، کوئی لمحہ ایسا نہ جاتا کہ بچہ کو بھولتی ہو۔ دیوانوں کی طرح پھرتی اور مردوں کی طرح اٹھتی کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا سب چھوٹ گیا۔''[۴]

راشد الخیری کے اس اقتباس میں المیے کی ایک نہایت گہری اور اثر انگیز صورت سامنے آتی ہے جس کا مرکز ماں کی ممتا اور اولاد کی جدائی کا ناقابلِ برداشت صدمہ ہے۔ مصنف نے وقت کے مسلسل گزرنے اور فطرت کے تغیر و تجدید کے باوجود شعبانہ کے دل میں موجود غم کی شدت کو بڑی فنکاری سے پیش کیا ہے۔ باغوں میں نئے پودوں کا اگنا، کلیوں کا کھلنا اور پھولوں میں تبدیل ہونا زندگی کے تسلسل اور امید کی علامت ہے، لیکن اس کے برعکس شعبانہ کے دل کی مرجھائی ہوئی کلی دوبارہ شگفتہ نہیں ہو پاتی۔ یہ تضاد المیے کی فضا کو مزید گہرا اور مؤثر بنا دیتا ہے۔

اقتباس میں شعبانہ کی نفسیاتی کیفیت بھی المیاتی عنصر کے طور پر نمایاں ہے۔ وہ اپنے بچے احسن کے کپڑوں اور کھلونوں کو سنبھال کر رکھتی ہے اور انھیں دیکھ کر ماضی کی یادوں میں کھو جاتی ہے۔ یہ یادگار اشیا اس کے لیے تسکین کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کے زخموں کو تازہ کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ اس کی زندگی مسلسل یادِ ماضی اور احساسِ محرومی کے گرد گھومتی رہتی ہے، جس سے اس کی ذہنی اور جذباتی شکست آشکار ہوتی ہے۔

مزید برآں، یہ اقتباس انسانی بے بسی اور غم کے غلبے کی تصویر بھی پیش کرتا ہے۔ اہلِ خانہ اور اطراف کے لوگ اسے دلاسہ دینے اور صبر کی تلقین کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اس کے دل پر صدمے کے اثرات اس قدر گہرے ہیں کہ کوئی نصیحت یا تسلی اس کے درد کو کم نہیں کر پاتی۔ نتیجتاً وہ معمولاتِ زندگی سے لاتعلق ہو جاتی ہے؛ کھانے پینے، لباس اور دیگر ضروریات سے بے رغبتی اس کی داخلی ٹوٹ پھوٹ کی علامت بن جاتی ہے۔ ''خیالستان کی پری'' میں راشد الخیری بیان کرتے ہیں:

> ''شہریار کا یہ حکم ایک بجلی تھی جو غفیرہ کے دل پر گری اور تمام امیدوں اور آرزوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ اس نے ایک حسرت بھری نظر تمام سبھا پر ڈالی دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر تھی اور آنسو کی لڑیاں اس کے رخساروں پر بہ رہی تھیں۔''[۵]

افسانہ ''خیالستان کی پری'' میں ایک ایسی لڑکی کی المیہ داستان پیش کی گئی ہے جو اپنے خیالات اور خوابوں کی حسین دنیا میں رہتی ہے۔ وہ حقیقت کی سختیوں سے دور، محبت، خوشی اور حسن کے تصورات میں گم رہتی ہے۔ مگر زندگی جب اپنی اصلی شکل میں سامنے آتی ہے تو اس کے تمام خواب ٹوٹ جاتے ہیں۔ افسانے کا مرکزی المیہ یہ ہے کہ پری کی خیالی دنیا اور زندگی کی حقیقتوں میں کوئی میل نہیں، وہ ایک ایسی دنیا میں جینا چاہتی ہے جہاں دکھ، محرومی یا دھوکہ نہ ہو، لیکن حقیقت میں ایسا ممکن نہیں۔ جب اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ زندگی خوابوں کی طرح حسین نہیں بلکہ تلخ اور بے رحم ہے، تو اس کی ساری امیدیں مایوسی میں بدل جاتی ہیں۔ افسانہ ''خیالستان کی پری'' خیال اور حقیقت کا تضاد، جذباتی کمزوری اور حساسیت، محرومی اور تنہائی، اندرونی شکست اس افسانے کے المیاتی عناصر ہیں، افسانے کے المیاتی عناصر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جب انسان خوابوں میں جینے لگتا ہے اور حقیقت سے نظریں چرا لیتا ہے، تو انجام ہمیشہ دکھ، محرومی اور اندرونی شکست کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

افسانہ ''محروم وراثت'' سے المیہ کا اقتباس:

''جس رضیہ کی صورت سے باپ کو نفرت تھی۔ جس پر ایک پیسہ بھی صرف کرنا گراں تھا۔ اس کا سر اس وقت باپ کے قدموں میں تھا، اور زبان سے یہ لفظ نکل رہے تھے ابا جان یہ آپ ہی کا روپیہ ہے میرا نہیں ہے۔''۶

افسانہ محروم وراثت میں عورت کی زندگی کے اس پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے جہاں وہ اپنے ہی گھر میں انصاف سے محروم رہتی ہے کہانی کا مرکزی المیہ اس بیٹی کے گرد گھومتا ہے۔ جسے باپ اپنی جائیداد سے دور رکھتا ہے حالانکہ مذہبی اور اخلاقی اصولوں کے مطابق وہ برابر کی وارث ہوتی ہے۔ افسانہ محروم وراثت میں ایک بیٹی کے کردار کو ایک نہایت دردناک انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس کی وراثت پر باپ اور بھائی قبضہ کر لیتے ہیں۔ اس کردار کے ذریعے اس معاشرتی حقیقت کو دکھایا ہے کہ عورت کا وجود قربانی صبر اور برداشت کی علامت بنا دیا گیا ہے۔ وہ اپنے حق کے لیے آواز بلند بھی کرے تو سماج اس سے نافرمانی یا شرم کا نام دے دیتا ہے۔

افسانہ محروم وراثت میں عورت کی زندگی کے اس پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے جہاں وہ اپنے ہی گھر میں انصاف سے محروم رہتی ہے کہانی کا مرکزی المیہ اس بیٹی کے گرد گھومتا ہے۔ جسے باپ اپنی جائیداد سے دور رکھتا ہے حالانکہ مذہبی اور اخلاقی اصولوں کے مطابق وہ برابر کی وارث ہوتی ہے۔ افسانہ محروم وراثت میں ایک بیٹی کے کردار کو ایک نہایت دردناک انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس کی وراثت پر باپ اور بھائی قبضہ کر لیتے ہیں اس کردار کے ذریعے اس معاشرتی حقیقت کو دکھایا ہے کہ عورت کا وجود قربانی صبر اور برداشت کی علامت بنا دیا گیا ہے۔ وہ اپنے حق کے لیے آواز بلند بھی کرے تو سماج اس سے نافرمانی یا شرم کا نام دے دیتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے بقول:

"راشد الخیری نے اردو افسانے کو محض تفریح کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے معاشرتی اصلاح اور بالخصوص عورت کے مسائل و حقوق کی ترجمانی کا مؤثر وسیلہ بنایا۔ ان کے افسانوں میں عورت کی مظلومیت، محرومی اور معاشرتی ناانصافی ایک مستقل موضوع کی حیثیت رکھتی ہے۔"۷

اس رائے کی روشنی میں افسانہ ''محروم وراثت'' میں معلوم ہوتا ہے کہ راشد الخیری نے رضیہ کی شخصیت کے ذریعے عورت کے حقِ وراثت سے محروم کیے جانے کے المیے کو نمایاں کیا ہے۔ رضیہ کی محرومی محض ایک فرد کا دکھ نہیں بلکہ اس معاشرتی رویّے کی علامت ہے جس میں عورت کو قانونی اور مذہبی حقوق کے باوجود وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ افسانے میں باپ اور بھائیوں کی خود غرضی، عورت کی بے بسی اور خاندانی ناانصافی ایک ایسی المیاتی فضا پیدا کرتی ہے۔

راشد الخیری کے افسانے محروم وراثت میں المیاتی عناصر نہایت گہرائی کے ساتھ ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اس کہانی کا سب سے بڑا المیہ عورت کی وہ محرومی ہے جو اسے اپنے ہی گھر کے افراد کے ہاتھوں سہنی پڑتی ہے۔ افسانے میں عورت کی بے بسی، معاشرتی ناانصافی، رشتہ داروں کی خود غرضی اور اخلاقی اقدار کے زوال کو دردناک انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ افسانہ ''کلنک کا ٹیکا'' سے ایک المیاتی اقتباس:

''جب بیماری کی حالت میں وہ پلنگ پر پڑ جاتا ہے اور شام کے وقت ڈاکٹر کے ہاں سے دوا لانے کی ضرورت ہوتی ہے تو جس لڑکے پر بھر بھر مٹھی روپیہ صرف کرتا ہے۔ صرف اس لیے ٹینس یا کسی دوسرے کھیل کا وقت ہے، اس کی تیوری پر بل آ جاتا ہے وہ جاتا بھی ہے اور دوا بھی لاتا ہے مگر مجبور اور معذور بادل ناخواستہ شام کے وقت جب مرض کا غلبہ ہوتا ہے اور بخار کی شدت اسے بے خبر کر دیتی ہے اس وقت وہ ننھے ننھے ہاتھ اس کے درد سر کا مقابلہ کرتے ہیں اس کے پریشان بالوں کو درست کرتے ہیں اس کے پژمردہ رخساروں سے کھیلتے ہیں اور اپنی بساط کے موافق تسکین دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ چھوٹے سے ہاتھ اسی معصوم بچی کے ہیں جو بڑی ہو کر سنگ دل باپ کے ترکہ سے محروم ہو گی اور اس کا وارث وہ ہو گا جس نے دوا تک لانے میں تامل کیا ہے۔''۸

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

اس افسانہ میں المیے کے مختلف پہلو نہایت مؤثر انداز سے سامنے آتے ہیں۔ مصنف نے ایک ایسے معاشرتی رویے کی عکاسی کی ہے جس میں بیٹی کی محبت، وفاداری اور خدمت کو اہمیت نہیں دی جاتی، حالانکہ وہ ہر مشکل گھڑی میں اپنے والد کا سہارا بنتی ہے۔ بیماری کی حالت میں جب باپ شدید کمزوری اور بخار کا شکار ہوتا ہے تو اس کی دیکھ بھال کا اصل فریضہ معصوم بیٹی انجام دیتی ہے۔ وہ اپنی کم عمری کے باوجود پوری دل سوزی سے باپ کی تکلیف کم کرنے کی کوشش کرتی ہے، اس کے سر کو سہلاتی ہے، بال سنوارتی ہے اور اسے آرام پہنچانے کی ہر ممکن تدبیر کرتی ہے۔ اس منظر سے بیٹی کی بے غرض محبت اور خلوص نمایاں ہوتا ہے۔

المیے کی شدت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب قاری کو معلوم ہوتا ہے کہ یہی خدمت گزار بیٹی مستقبل میں وراثت کے حق سے محروم کر دی جائے گی۔ دوسری جانب وہ بیٹا، جو والد کی بیماری اور ضرورت کے وقت ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کرتا، معاشرتی روایات کی بنا پر جائیداد کا اصل وارث بن جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال نہ صرف خاندانی ناانصافی کو ظاہر کرتی ہے بلکہ اس معاشرتی ذہنیت کی بھی نشاندہی کرتی ہے جو عورت کی قربانیوں اور جذبات کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ پروفیسر آلِ احمد سرور کے مطابق:

> ”ادب کا کام صرف کسی واقعے یا حادثے کو بیان کرنا نہیں بلکہ اس واقعے میں پوشیدہ انسانی احساسات، جذبات اور تجربات کو اس انداز سے پیش کرنا ہے کہ وہ ہر انسان کے دل کی آواز بن جائے۔ جب ایک ادیب کسی فرد کے ذاتی دکھ، محرومی یا کرب کو فنی مہارت کے ساتھ پیش کرتا ہے تو وہ محض ایک شخص کی کہانی نہیں رہتی بلکہ پوری انسانیت کے مشترکہ تجربے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ آلِ احمد سرور کے نزدیک ادب کی اصل قوت یہی ہے کہ وہ مخصوص حالات کو آفاقی معنویت عطا کرتا ہے اور قاری کو دوسروں کے دکھ درد سے وابستہ کر دیتا ہے۔“۹

افسانہ "کلنک کا ٹیکا" کے تناظر میں یہ رائے نہایت موزوں معلوم ہوتی ہے۔ بظاہر یہ ایک ایسی بیٹی کی داستان ہے جو اپنے بیمار والد کی بے لوث خدمت کرتی ہے، مگر اس کے باوجود مستقبل میں وراثت کے حق سے محروم رہتی ہے۔ یہ محرومی صرف ایک لڑکی کا ذاتی المیہ نہیں رہتی بلکہ ان تمام عورتوں کی نمائندگی کرنے لگتی ہے جو معاشرتی تعصبات اور غیر منصفانہ روایات کا شکار رہی ہیں۔ یوں قاری اس کردار کے دکھ کو صرف ایک فرد کا دکھ نہیں سمجھتا بلکہ اسے ایک وسیع انسانی اور سماجی مسئلے کے طور پر محسوس کرتا ہے۔

اس افسانہ میں تضاد کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ ایک طرف بیٹی کی بے مثال شفقت، محبت اور ایثار ہے اور دوسری طرف والد کی جانب سے اس کی قدر نہ کیے جانے کا رویہ دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح خدمت کرنے والی بیٹی کا محروم رہ جانا اور لاپروا بیٹے کا تمام حقوق حاصل کر لینا ایک ایسی المناک کیفیت پیدا کرتا ہے جو قاری کے دل میں دکھ اور افسوس کے جذبات پیدا کرتی ہے۔

عورت کی محرومی، سماجی تعصبات، غیر منصفانہ خاندانی اقدار اور انسانی احساسات کی ناقدری اس افسانہ کے اہم المیاتی عناصر ہیں۔ یہی عناصر مل کر ایک ایسی فضا تشکیل دیتے ہیں جس میں ترحم، درد اور احساسِ محرومی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ اقتباس صرف ایک خاندان کی کہانی نہیں بلکہ اس معاشرتی رویے پر تنقید بھی ہے جس میں بیٹی کی محبت اور خدمات کے باوجود اسے اس کے بنیادی حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ افسانہ ”بیوی کی صحنک پر بیوہ لڑکی“ سے المیاتی تحریر:

> ”دشمن کو بھی خدا یہ وقت نہ دکھائے جو باپ چار ساڑھے چار لاکھ کی جائیداد چھوڑ کر مرا اس کی اکلوتی بیٹی ایک کٹر ساس کی دست نگر تھی مگر بلقیس بدنصیب کی حالت سب سے خراب تھی۔ وہ آدم خور نہ صرف شوہر کو ہضم کر گئی تھی بلکہ اس کی طرف سے ہر وقت اندیشہ تھا کہ عنقریب اور ایک آدھ کو چٹ کرنے والی ہے۔“۱۰

راشد الخیری کے افسانے ”بیوی کی صحنک پر بیوہ لڑکی“ میں المیاتی عناصر نہایت مؤثر اور دل گرفتہ انداز میں سامنے آتے ہیں۔ کہانی کی بنیاد ایک بیوہ لڑکی کے دکھ، محرومی اور معاشرتی ناانصافی پر رکھی گئی ہے، جس کے ذریعے راشد الخیری نے عورت کی مظلومیت کو اجاگر کیا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ایک ایسی عورت ہے جس کی زندگی

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

غم، تنہائی اور ادھورے خوابوں کا مجموعہ بن چکی ہے۔ شوہر کے بچھڑ جانے کے بعد وہ اپنی جوانی اور احساسات کو معاشرتی پابندیوں کی نذر کر دیتی ہے۔ سماج کی تنگ نظری اور بے رحمانہ رویے اسے مزید کرب میں مبتلا کرتے ہیں، کیونکہ اسے خوشی، اظہار یا اپنی مرضی سے جینے کا حق نہیں دیا جاتا۔ یہی ناانصافی افسانے کی المیاتی فضا کو اور بھی گہرا کر دیتی ہے۔ افسانہ "رواج کی بھینٹ" سے ایک تحریر:

> "مسلمانوں کے نکاح ثانی کو دین و ایمان سمجھ کر بھی ہم حسن کے اس نکاح کو جائز نہیں کہیں گے، اگر مجبوری و معذوری سے تسلیم کر بھی لیں تو ضرورت تھی کہ حسن احکام اسلام کے بموجب مساوات کا ایسا سرمہ لگا کر دونوں کو دکھا کر عطیہ کی آنکھ میں ملال کا میل تک نہ آتا۔ لیکن یہ کیا غضب تھا کہ کڑ کڑاتے جاڑوں میں بیمار عطیہ دودھ پیتے بچے کو کلیجہ سے لگائے میاں اور سوکن کے لیے چائے بنائی اور انڈے اور انڈے تلے۔"[11]

افسانہ "رواج کی بھینٹ" میں راشد الخیری نے ایک معصوم لڑکی کا المیہ بیان کیا ہے جسے اپنی مرضی اور خوشی کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے، اس افسانہ میں المیاتی عناصر نہایت گہرے انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس افسانے نے راشد الخیری نے دکھایا ہے کہ ایک معصوم لڑکی کو پرانے اور غیر ضروری رسم و رواج کے نام پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ اس نے جو اپنی زندگی خواب دیکھے تھے وہ سب رواج کی بھینٹ کی وجہ سے ختم ہو گئے۔ راشد الخیری نے افسانے کے ذریعے ان مردوں پر بھی تنقید کی ہے جو مرد دوسری شادی تو کر لیتے ہیں لیکن پہلی بیوی کے حقوق و فرائض کو بھول کر اس کو ایک کنیز سمجھتے ہیں اور دوسری بیوی ہی کو اپنا سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں پہلی بیوی کو بھی اس طرح حقوق حاصل ہیں جس طرح دوسری بیوی کے حقوق ہیں۔ سلیم اختر کے مطابق:

> "راشد الخیری کے افسانوں میں عورت مظلوم طبقے کی نمائندہ بن کر سامنے آتی ہے۔ ان کے ہاں عورت کی محرومی صرف ایک فرد کا مسئلہ نہیں بلکہ پورے معاشرے کی اخلاقی شکست کی علامت بن جاتی ہے۔"[12]

یہ رائے افسانے کی المیاتی فضا کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے کیونکہ عطیہ کی محرومی محض ذاتی سانحہ نہیں بلکہ اس سماجی نظام کی ناکامی کا استعارہ ہے جو عورت کو مساوی حقوق دینے سے گریز کرتا ہے۔

"المیاتی" عناصر میں مجبوری، محرومی، سماجی ناانصافی اور نسوانی دکھ نمایاں ہیں عورت کا دکھ اس بات کا استعارہ ہے کہ روایتی معاشرہ کس طرح انسان کو اپنی بے جان رسموں کا اسیر بنا دیتا ہے۔ راشد الخیری نے کرداروں کے جذبات، خاموشی اور قربانی کے مناظر کے ذریعے اس المیے کو نہایت درد انگیز طور پر پیش کیا ہے۔ یوں "رواج کی بھینٹ" ایک ایسا افسانہ بن جاتا ہے جس میں انسانی احساسات، سماجی جبر اور عورت کی بے بسی مل کر ایک مکمل المیاتی فضا پیدا کرتے ہیں۔ "سوتیلی ماں کا آخری وقت" سے راشد الخیری کی ایک تحریر:

> "بے بسی اور مظلوم عرفان کی وہ تصویر آج تک میرے دل سے فراموش نہ ہوئی اس کے کپڑے خون میں شور بور تھے۔ مگر اس کو اپنی تکلیف کے مطلق خیال نہ تھا، بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ مار پیٹ کا یقین تھا۔ اس کی آنکھ سے آنسو جاری تھے دو ہاتھ جوڑے ایسی نظر سے مجھ کو دیکھ رہا تھا جو میرے رحم کی التجا کر رہی تھی ڈر کے مارے آواز بند تھی اور ایک آٹھ برس کی جان میرے سامنے تھر تھر کانپ رہی تھی۔"[13]

افسانہ "سوتیلی ماں کا آخری وقت" میں راشد الخیری نے سوتیلی ماں کے ظلم و جبر کے المیہ کو بیان کیا ہے۔ جو اپنی حقیقی بیٹے سے تو اپنی جان سے بڑھ کر پیار کرتی ہے اور سوتیلے بچوں کو ایک محبت بھری نگار دیکھنا گوارہ نہیں کرتی۔ سوتیلی ماں کا ظلم سوتیلے بچوں پر ایک نہایت دردناک سماجی المیہ ہے جو انسانی رشتوں کی نزاکت اور محبت کی کمزوری کو بے نقاب کرتا ہے۔ اس افسانہ میں راشد الخیری نے انسانی زندگی کے ایک نہایت دردناک اور کرب انگیز پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ ایک کم سن اور بے سہارا بچے کی تصویر

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

کے ذریعے مصنف نے ظلم، محرومی اور انسانی بے چارگی کے احساس کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ قاری خود کو اس کے دکھ اور اذیت میں شریک محسوس کرتا ہے۔ بچے کے خون سے آلودہ لباس، لرزتے ہوئے جسم اور خوف زدہ کیفیت سے اس پر ڈھائے گئے تشدد کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے، جو پورے منظر کو ایک گہری المیاتی فضا عطا کرتا ہے۔ نجم السحر اعظمی کے مطابق:

"راشد الخیری نے عورتوں اور بچوں کی نفسیاتی کیفیات کو نہایت حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے کردار داخلی کرب اور جذباتی اذیت کے زندہ مظاہر بن جاتے ہیں۔"[۱۴]

یہ رائے افسانے کے مذکورہ اقتباس کی بہترین توضیح کرتی ہے۔ بچے کی خاموشی، خوف، لرزتے ہوئے جسم اور آنسوؤں سے بھری آنکھیں اس کی داخلی اذیت اور نفسیاتی صدمے کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں، جس سے افسانے کی المیاتی فضا مزید گہری ہو جاتی ہے۔

اس افسانہ کا بنیادی المیاتی عنصر بے بسی کا احساس ہے۔ بچہ اپنی کم عمری اور کمزور حیثیت کے باعث حالات کے سامنے مکمل طور پر بے اختیار نظر آتا ہے۔ اس کے پاس نہ تو اپنے دفاع کی طاقت ہے اور نہ ہی ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت۔ اس کے جوڑے ہوئے ہاتھ اور مدد کی متلاشی نگاہیں اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہیں کہ وہ اپنے وجود کے تحفظ کے لیے دوسروں کی شفقت اور رحم کا محتاج ہے۔ یہی بے چارگی المیے کی شدت کو دوچند کر دیتی ہے۔

خوف اور عدم تحفظ کا احساس بھی اس افسانہ میں نمایاں طور پر موجود ہے۔ بچے کی کیفیت اس امر کی غماز ہے کہ وہ صرف موجودہ تکلیف ہی سے دوچار نہیں بلکہ مزید اذیت اور سزا کے اندیشوں میں بھی گرفتار ہے۔ اس کے وجود کا کانپنا اور زبان کا خاموش ہو جانا اس نفسیاتی دباؤ کی نشاندہی کرتا ہے جو مسلسل جبر کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ یوں جسمانی اذیت ذہنی اور روحانی اذیت میں تبدیل ہو کر المیے کی گہرائی میں اضافہ کرتی ہے۔

راشد الخیری کی افسانہ نگاری کا ایک اہم پہلو سماجی شعور اور اصلاحی فکر ہے۔ اس افسانہ میں بچے کی مظلومیت دراصل ان سماجی رویوں کی علامت بن جاتی ہے جو کمزور طبقات کو ظلم اور استحصال کا شکار بناتے ہیں۔ مصنف فرد کے دکھ کو معاشرتی مسئلے سے جوڑتے ہوئے یہ واضح کرتے ہیں کہ ظلم صرف ایک شخص کی زندگی کو متاثر نہیں کرتا بلکہ پورے معاشرے کی اخلاقی ساخت کو کمزور کر دیتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ اقتباس سماجی ناانصافی اور انسانی بے حسی کے خلاف ایک خاموش احتجاج بھی ہے۔

مصنف نے منظر نگاری اور جذباتی کیفیت کی عکاسی کے ذریعے المیے کو مؤثر بنایا ہے۔ بچے کی آنکھوں سے بہتے آنسو، اس کا سہما ہوا وجود اور اس کی خاموش فریاد ایسے تصویری عناصر ہیں جو قاری کے دل میں درد، ہمدردی اور افسوس کے جذبات پیدا کرتے ہیں۔ یہ کیفیت المیے کے اس مقصد کو پورا کرتی ہے جس کے تحت قاری متاثر ہو کر انسانی دکھ کو محسوس کرتا اور اس پر غور کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

اس میں ظلم، بے بسی، خوف، نفسیاتی کرب، معصومیت کی پامالی، سماجی استحصال اور انسانی بے حسی جیسے المیاتی عناصر کا بھرپور مظہر ہے۔ راشد الخیری نے ان عناصر کو نہایت فنی مہارت اور جذباتی صداقت کے ساتھ پیش کیا ہے، جس کے نتیجے میں ایک ایسا المیاتی منظر وجود میں آتا ہے جو قاری کے ذہن و دل پر دیرپا اثر چھوڑتا ہے۔ افسانہ ''شہید معاشرت'' سے:

''تم تو بالکل ہتیا ہو گئی عورتوں کی تکلیف تو عارضی ہے۔ مردوں کو ایسی ایسی اذیتیں ہر وقت پیش آتی رہتی ہیں، اگر وہ بھی تمہاری طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں تو دنیا کے کام ہی ٹھنڈے ہوں ابھی میرا دم نکل جاتا بھلا غضب خدا کا گھنٹہ بھر میں پانی لائی ہو۔''[۱۵]

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

راشد الخیری نے افسانہ ''شہید معاشرت'' میں ایک عورت کا المیہ بیان کیا ہے جو اپنے شوہر کے ظلم کو برداشت کرتی ہے۔ جو اسے محبت، اعتماد اور رشتوں کے تقدس کو مجروح کر دیتا ہے، جب ایک عورت جو زندگی کا شریک سفر اور عزت کی حق دار ہے، اپنے ہی شوہر کے ظلم کا نشانہ بنتی ہے جو اس کا وجود درد اور خاموش چیخوں میں ڈھل جاتا ہے۔

خاوند کا سخت رویہ، طعن و تشنع اور ظلم و جبر اس عورت کے احساسات کو کچل دیتے ہیں۔ وہ اپنی مجبوری اور معاشرتی دباؤ کے باعث کچھ کچھ کہہ نہیں پاتی، مگر اس کے اندر ایک نہ ختم ہونے والا دکھ جنم لیتا ہے۔ افسانہ شہید معاشرت میں تکلیف، بے بسی اور جذباتی بگاڑ کے عناصر نمایاں ہیں۔ بیوی کی آنکھوں میں ماند پڑتی امید، اس کی خاموش قربانی اور عزت نفس کا ٹوٹ جانا ایک گہرے دکھ کی تصویر بن جاتا ہے۔ راشد الخیری کا افسانہ ''توصیف کا خواب'' سے اقتباس:

> ''بیوی وہ سامنے گاؤں ہے اس کے پاس دو بیگہ زمین اور ایک کنواں میرا ہے۔ میرا شوہر کاشت کرتا تھا اور ہم یہاں سے اطمینان سے رہتے تھے۔ مگر پچھلے سال وہ وبا میں مر گیا زمیندار نے اس کی دوائی بھی کی مگر بچا چالیس روپیہ کا حساب اس کے مرے پیچھے زمیندار کا نکلا تھا۔ دانت کریدنے کو تنکا نہ تھا کہاں سے دیتی اس نے میرا بچہ لے لیا اور اب مجھے اس سے ملنے بھی نہیں دیتا مجھے اس کی صورت دیکھے پانچ مہینہ ہو گئے۔ کئی دفعہ گئی دھتکار دیا۔''[۱۶]

راشد الخیری کے اس افسانہ میں المیے کی فضا ایک غریب اور بے سہارا عورت کی زندگی کے گرد تشکیل پاتی ہے۔ مصنف نے ایسے حالات کی تصویر کشی کی ہے جن میں انسانی بے بسی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ عورت اپنے شوہر کی وفات کے بعد معاشی اور جذباتی دونوں حوالوں سے شدید مشکلات کا شکار ہو جاتی ہے۔ شوہر کی موت نہ صرف اس کے خاندان کا سہارا چھین لیتی ہے بلکہ اسے ایسے حالات سے بھی دوچار کر دیتی ہے جہاں وہ اپنے بنیادی حقوق کے تحفظ سے محروم ہو جاتی ہے۔

افسانہ کا سب سے مؤثر اور کرب انگیز المیاتی پہلو ماں اور بچے کی جدائی ہے۔ معمولی قرض کی ادائیگی نہ کر سکنے کے باعث اس کا بچہ زمیندار کے قبضے میں چلا جاتا ہے اور ماں کو اس سے ملاقات کی اجازت بھی نہیں ملتی۔ ایک ماں کا اپنے بچے کی صورت دیکھنے کے لیے تڑپنا اور مسلسل محرومی کا شکار رہنا انسانی دکھ کی نہایت گہری صورت ہے۔ پانچ ماہ تک بچے سے دوری کی کیفیت اس کے داخلی کرب، جذباتی اذیت اور قلبی شکست کو نمایاں کرتی ہے۔ یہ محرومی محض ایک فرد کا دکھ نہیں بلکہ اس معاشرتی نظام کی عکاسی ہے جہاں طاقتور طبقہ کمزور افراد کے جذبات اور حقوق کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ آل احمد سرور لکھتے ہیں:

> ''ادب کسی ایک فرد کے ذاتی غم، محرومی یا سانحے کو اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ وہ صرف ایک شخص کی داستان نہیں رہتا بلکہ پوری انسانیت کے مشترکہ تجربے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ادیب اپنے فن کے ذریعے انفرادی دکھ کو ایسی وسعت عطا کرتا ہے کہ قاری اس میں اپنے جذبات، احساسات اور زندگی کے تجربات کی جھلک محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جو ادب کو محض واقعات کے بیان سے بلند کر کے انسانی شعور اور احساس کا آئینہ بنا دیتی ہے۔''[۱۷]

راشد الخیری کے افسانہ ''توصیف کا خواب'' میں بھی یہی صورت نظر آتی ہے۔ بظاہر یہ ایک غریب بیوہ عورت کی کہانی ہے جو شوہر کی وفات کے بعد قرض اور غربت کے باعث اپنے بچے سے محروم ہو جاتی ہے، لیکن اس کا دکھ صرف ایک ماں کا ذاتی دکھ نہیں رہتا۔ یہ واقعہ ان تمام مجبور، بے سہارا اور مظلوم انسانوں کی نمائندگی کرتا ہے جو معاشی استحصال، سماجی ناانصافی اور طبقاتی جبر کا شکار ہوتے ہیں۔ ماں کی اپنے بچے سے جدائی، اس کی بے بسی اور اس کے دل کا کرب ایک ایسا انسانی تجربہ بن جاتا ہے جسے ہر حساس قاری محسوس کر سکتا ہے۔

اس افسانہ میں طبقاتی تفاوت بھی ایک اہم المیاتی عنصر کے طور پر سامنے آتا ہے۔ زمیندار اپنی معاشی قوت کے بل پر ایک بے آسرا عورت کو مزید مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ قرض کی معمولی رقم انسانی ہمدردی سے زیادہ اہم قرار پاتی ہے اور ایک ماں کی مامتا بے وقعت ہو جاتی ہے۔ اس صورتحال سے معاشرے میں موجود ناانصافی، استحصالی

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

رویوں اور طاقت کے غیر مساوی استعمال کی نشاندہی ہوتی ہے۔ راشد الخیری نے اس واقعے کے ذریعے یہ واضح کیا ہے کہ غربت صرف معاشی مسئلہ نہیں بلکہ انسانی رشتوں، جذبات اور زندگی کی خوشیوں کو بھی متاثر کرتی ہے۔

المیاتی اعتبار سے اس افسانہ میں دکھ، محرومی، بے اختیاری اور ظلم کے عناصر باہم مل کر ایک دردناک منظر نامہ تشکیل دیتے ہیں۔ عورت کی فریاد، بچے کی جدائی اور سماجی جبر کی یہ کیفیت ترحم اور ہمدردی کے ایسے جذبات پیدا کرتی ہے جو کامیاب المیے کی بنیادی خصوصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ افسانہ "طلاق" سے ایک المیاتی اقتباس:

> "وہ روزے دار بدنصیب، ایک روز قبل ساس کے قدموں میں گری۔ اور کہا آپ اپنے لڑکے کا نکاح شوق سے دوسرا کر لیجیے۔ میری سات پیڑھی میں کبھی کسی کو طلاق نہیں ملی۔ میری کواری بچی کا ساتھ ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں، کہ ہر طرح کی خدمت اپنا فرض سمجھوں گی۔ اور مر کر یہاں سے نکلوں گی۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ میری ماں سوتیلی ہے۔ میرا ٹھکانہ روئے زمیں پر کہیں نہیں۔"۱۸

افسانہ "طلاق" میں راشد الخیری نے ایک ایسی عورت کی دکھ بھری داستان کا المیہ بیان کیا ہے۔ جو اپنے شوہر اور اس کے گھر والوں کی خدمت اور خلوص میں اپنی پوری زندگی گزار دیتی ہے۔ لیکن اس عورت جو اس افسانہ میں رضیہ کے نام کا کردار ہے۔ اس کی خدمت کو نہیں دیکھتے اور اس کے گھر والوں میں اس کے شوہر کی بہن اور ماں اس کے خلاف اپنے بھائی اور بیٹے کو بھڑکاتے ہیں۔ اس کے اندر اپنی بیوی کے لیے نفرت پیدا کر دیتے ہیں۔ زیب النساء راشد الخیری کے بارے میں لکھتی ہیں:

> " راشد الخیری نے عورت کے مسائل کو محض ایک ادبی موضوع کے طور پر اختیار نہیں کیا بلکہ انہیں اپنی زندگی کے مشاہدات اور قلبی احساسات کا حصہ بنالیا تھا۔ ان کے نزدیک عورت کی محرومی، بے بسی، جہالت، معاشرتی ناانصافی اور گھریلو استحصال ایسے مسائل تھے جنہوں نے انہیں گہرے طور پر متاثر کیا۔ اسی لیے ان کی تحریروں میں عورت کا دکھ ایک خارجی منظر نہیں بلکہ ایک داخلی کرب کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔"۱۹

یہ رائے افسانہ "طلاق" پر پوری طرح صادق آتی ہے کیونکہ رضیہ کا کردار ان بے شمار عورتوں کی نمائندگی کرتا ہے جو سسرالی سازشوں، معاشرتی تعصبات اور مردانہ فیصلوں کا شکار ہو کر اپنی عزت اور سکون سے محروم ہو جاتی ہیں۔

اس افسانہ میں راشد الخیری نے جاہل شوہر کا بھی المیہ بیان کیا ہے جو حقیقت سے آشنا نہیں ہوتا اور اپنی ماں اور بہن کی باتوں پر یقین کر کے اپنی بیوی کو طلاق دینے پر رضامند ہو جاتا ہے۔ اس افسانہ میں عورت کی بے بسی اور قربانی نظر آتی ہے جس کی سزا ایک لفظ "طلاق" ملتی ہے۔ اس کا کردار معاشرتی ناانصافی کی علامت بن جاتا ہے، ایک طلاق یافتہ عورت کو معاشرہ قبول نہیں کرتا لوگ اس پر الزام لگاتے ہیں۔ اس سے ہمدردی کرنے کی بجائے اس سے نفرت کرتے ہیں، اور یہ رویہ معاشرتی المیے کو مزید گہرا کر دیتا ہے۔ یہ افسانہ آج بھی اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ ایک عورت کی عزت اور مقام کو پہچاننا معاشرتی اصلاح کے لیے لازمی ہے۔ "طلاق" کا المیہ صرف ایک عورت کی کہانی نہیں بلکہ ایک ایسے نظام کی عکاسی ہے جو عورت کو کمزور سمجھ کر اس درد و ذلت کے حوالے کر دیتا ہے۔ افسانہ "بن باپ کا بچہ" سے ایک تحریر :

> "منہ اندھیرے اٹھ کر جاتا اور آٹھ بجے رات کے آنا دن بھر منشی جی کی خدمت کرنا رات کو مولانا کی ٹہل، آج پورا ایک مہینہ ہوا رات کے گیارہ بجے تھے۔ مینھ شدت سے پڑ رہا تھا مولانا نے چار پیسے کا دودھ منگوایا، بچے کی ہستی کیا تھی کہ انکار کرتا گرتا پڑتا گیا، اور بھیگتا ہوا دودھ لایا گھر میں گھستا تھا کہ پاؤں پر پٹا اور دودھ سمیت گرا، اب مولانا کو تاب کہاں تھی، غصہ میں آگ ہو گئے اور مارنا شروع کیا۔ اس پر بھی پیٹ نہ بھرا تو گھر سے نکال دیا۔"۲۰

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

افسانہ ''بن باپ کا بچہ'' میں راشد الخیری نے دل کو چھو لینے والے المیاتی عناصر سموئے ہیں۔ اس افسانہ میں ایک معصوم بچے کی درد بھری زندگی اور معاشرے کی بے حسی کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اس افسانہ میں ایک ایسے بچے کی کہانی کا المیہ بیان کیا گیا ہے جو سوتیلے باپ کا ظلم و جبر برداشت کرتا ہے سوتیلے باپ کی سختیوں اور ڈانٹ ڈپٹ کو برداشت کرتا ہے۔ یہ سلوک افسانے کے المیے کو شدید تر بنا دیتا ہے۔ راشد الخیری نے اس افسانے میں سوتیلے باب کے ظلم و جبر کا المیہ بیان کیا ہے۔ جہاں ایک سوتیلی ماں کا ظلم ہوتا ہے وہیں یہ راشد الخیری نے سوتیلے باپ کا ظلم بیان کیا ہے۔

راشد الخیری نے ماں کی مجبوری اور بے بسی کو بیان کیا ہے کہ جو ماں اپنے بچے سے محبت تو رکھتی ہے۔ مگر اذدواجی زندگی اور معاشرتی دباؤ کے باعث بیٹے پر ہونے والے ظلم کو برداشت کرتی رہتی ہے۔ آخر میں جب بچے سے چھوٹی سی غلطی سرزد ہو جاتی ہے، تو سوتیلا باب اس کو گھر سے نکال دیتا ہے، لیکن مجبور اور بے بس ماں تھر تھر کانپ رہی ہوتی ہے مگر اتنی مجال نہ تھی کہ بیٹے کو اپنے پاس گھر میں رکھ سکتی۔

افسانے کے المیاتی عناصر بچے کی محرومیوں، ظلم، سماجی روایوں اور جذباتی کرب کا ایسا مجموعہ ہے جو دل کو لرزا دیتا ہے۔ راشد الخیری نے ان عناصر کے ذریعے معاشرے کی بے حسی پر سخت ضرب لگائی ہے۔ افسانہ ''بہو بیگم کی ندامت'' سے المیاتی اقتباس:

> ''رات جوں توگزری، صبح میاں نے بیوی سے سسرال چلنے کے واسطے کہا۔ ظہیرہ السلطان اپنے نام کی ایک تھی ہر چیز اس بیچارے نے خوش آمد کی مگر اس مکار نے جنبش نہ کی، اکیلا ماں کے پاس آیا وہ ظہر کی نماز پڑھ رہی تھی کچھ دیر مکھ کھڑا بڑبڑاتا رہا جب وہ سلام پھیر چکیں تو دل کھول کر بھڑاس نکالی بیچاری اگلے زمانے کی عورت بیٹے کے منہ کیا لگتیں۔ سچا سچا حال بیت تو نہ کہا گیا اور بہو کا الزام اپنے اوپر تھپوا لیا۔ صاحبزادہ چیخ چلا کر رخصت ہوئے بیوی کی بے گناہی ماں کے ظلم کا پورا پورا یقین ہو گیا اور اس دن کے بعد سے ماں کے گھر پر آکر جھانکنا تک قسم ہوا۔''[۲۱]

راشد الخیری کا افسانہ ''بہو بیگم کی ندامت'' میں گھریلو زندگی کے ایک ایسے الم ناک پہلو کو نمایاں کیا ہے جہاں غلط فہمی، فریب اور جذباتی ناانصافی خاندانی رشتوں کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہ واقعہ محض ساس، بہو اور بیٹے کے باہمی تعلقات کا بیان نہیں بلکہ انسانی نفسیات اور معاشرتی رویّوں سے جنم لینے والے ایک گہرے المیے کی ترجمانی کرتا ہے۔ ماں کا کردار ایک ایسی مظلوم ہستی کے طور پر سامنے آتا ہے جو بے قصور ہونے کے باوجود حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے بیٹے کی خوشی اور گھر کے سکون کو مقدم رکھتے ہوئے الزام کی تمام تر ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتی ہے، جس سے اس کی ایثار پسندی اور قربانی کا جذبہ نمایاں ہوتا ہے۔ مرزا حامد بیگ کے مطابق:

> "راشد الخیری کے افسانوں میں خاندانی رشتوں کی شکست و ریخت اور عورت کی خاموش قربانی ایک مستقل موضوع کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے کردار اکثر غلط فہمیوں، سماجی تعصبات اور جذباتی ناانصافیوں کا شکار ہو کر المیے کو جنم دیتے ہیں۔"[۲۲]

المیاتی اعتبار سے اس افسانہ کا مرکزی نکتہ اعتماد کا بحران ہے۔ بیٹا حقائق کی تحقیق کیے بغیر اپنی ماں کے بارے میں منفی رائے قائم کر لیتا ہے اور یوں ایک غلط تصور اس کے طرزِ عمل پر حاوی ہو جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال المیے کے اس پہلو کی نمائندگی کرتی ہے جس میں حقیقت پردۂ اخفا میں رہتی ہے اور کردار فکری مغالطے کے باعث ایسے فیصلے کرتے ہیں جو بعد ازاں تباہ کن نتائج پیدا کرتے ہیں۔ ماں کے لیے یہ کیفیت محض الزام تک محدود نہیں رہتی بلکہ وہ اپنے بیٹے کی محبت، توجہ اور قربت سے بھی محروم ہو جاتی ہے۔ اس محرومی سے اس کے باطن میں جنم لینے والا درد اور تنہائی افسانہ کی المیاتی فضا کو مزید گہرا کر دیتا ہے۔

سماجی تناظر میں یہ منظر اس رویّے کی عکاسی کرتا ہے جو روایتی خاندانی نظام میں عورت، بالخصوص ماں، کے ساتھ وابستہ رہا ہے۔ وہ خاندان کے استحکام اور رشتوں کی بقا کے لیے اپنی خواہشات، جذبات اور حتیٰ کہ اپنی صفائی تک قربان کر دیتی ہے۔ اس کے باوجود اسے وہ مقام اور اعتراف حاصل نہیں ہوتا جس کی وہ مستحق ہوتی ہے۔ راشد

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

الخیری نے اس کردار کے ذریعے عورت کی خاموش مظلومیت اور اس پر عائد سماجی دباؤ کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ یہی پہلو ان کے افسانوں کو محض جذباتی داستان نہیں رہنے دیتا بلکہ انھیں معاشرتی تنقید کا درجہ عطا کرتا ہے۔

یوں یہ افسانہ خاندانی تعلقات میں اعتماد کے فقدان، عورت کی خاموش قربانی، نفسیاتی اذیت، سماجی جبر اور رشتوں کے انتشار کو یکجا کر کے ایک مؤثر المیاتی منظر نامہ تشکیل دیتا ہے۔ راشد الخیری نے اس مختصر واقعے کے ذریعے انسانی زندگی کی اس تلخ حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ بعض اوقات غلط فہمیاں اور بے بنیاد الزامات محبت کے مضبوط ترین رشتوں کو بھی کمزور کر دیتے ہیں اور یہی کیفیت المیے کی اصل روح کو تشکیل دیتی ہے۔ ''ایسی بیاہی سے کنواری بھلی'' افسانہ سے ایک اقتباس :

> ''تحصیلدار صاحب تشریف لے گئے میرے پاس زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی ہزار کا زیور ہے اور ان کی پہلی بیوی کے بچے اس کا بھی مطالبہ فرما رہے ہیں۔ تین لڑکیاں ساتھ ہیں ان کا انجام کیا ہو گا کچھ سمجھ میں نہیں آتا، میں اپنی دردناک زندگی کا ایک مختصر سا پہلو دکھا کر ان ماؤں سے جو اپنی جوان بچیوں کو بڈھے شوہروں کے حوالے کر دیتی ہیں، التجا کرتی ہوں کہ وہ ایسے سنگین جرم کا ارتکاب نہ کریں، اور مجھ جیسی رانڈ کنواری کو ہزار درجہ بہتر و غنیمت سمجھیں۔''۲۳

افسانہ ''ایسی بیاہی سے کنواری بھلی'' میں راشد الخیری ایک ایسی لڑکی کا المیہ بیان کرتا ہے، جو اپنی جوانی میں ایک بڈھے انسان کے ساتھ کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہے۔ اس جوان لڑکی کی شادی ایک ایسے انسان کے ساتھ کی جاتی ہے جو قریب مرگ ہے، اس کو مجبوراً اس کو اس کے ساتھ زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ اس افسانہ میں رشد الخیری سماجی جبر اور فرسودہ رسموں کے بارے میں بیان کرتے ہیں اور معاشرے کی ان روایات پر شدید تنقید کی جہاں لڑکی کی شادی کو ہر حال میں ضروری سمجھا جاتا ہے چاہے اس کا انجام کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو۔

جوان لڑکی کی شادی کسی بوڑھے مرد سے دنیا کا ایک شدید سماجی المیہ ہے جو لڑکی کی پوری زندگی کا دکھ، محرومی اور ذہنی اذیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ایسی شادی میں نہ ذہنی ہم آہنگی ہوتی ہے اور نہ جذباتی ہم ربطی کی جس میں خمیازہ لڑکی کو خاموشی سے بھگتنا پڑتا ہے۔ اس قسم کی شادی لڑکی کی نفسیاتی صحت کو بھی بری طرح متاثر کرتی ہے، احساس محرومی تنہائی اور نا امیدی اس کی شخصیت کو توڑ دیتی ہے۔ وہ ہنستے کھیلتی عمر میں بڑھاپے کا دکھ جینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہ المیہ صرف ایک فرد تک محدود نہیں رہتا بلکہ پورے معاشرے کے اخلاقی پستی کو ظاہر کرتا ہے جہاں عورت کو انسان کی بجائے ایک شے سمجھا جائے وہاں انصاف اور خوش حالی ممکن نہیں۔ افسانہ ''شادی کی ندامت'' سے ملاحظہ :

> ''ڈیڑھ سال کے قریب ہونے آیا کہ میں اپنی شادی کے معاملے میں اس غلطی کا اقرار کر چکی ہوں جو مجھ سے سرزد ہوئی میں جس شخص کو لاڈ سمجھی تھی، وہ نہایت چال باز نکلا وہ میری انکھوں کے سامنے مجھ جیسی چار پانچ زندگیاں برباد کر دیں ۔ آج پانچ ہفتے ہوئے کہ اس نے مجھ کو بے قصور اس قدر مارا کہ میں بے ہوش ہو گئی۔ جب ہسپتال میں پہنچی اور آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ، میری پسلیاں ٹوٹ گئیں ہیں۔ گو مہربان لیڈی ڈاکٹر نے توجہ میں کمی نہیں کی مگر میری حالت روز بروز بدتر ہو رہی ہے، اور اس وقت مجھ کو ڈاکٹر نے جواب دے دیا۔ ارمان یہ ہے کہ اس وقت آپ کی صورت دیکھ لوں۔ میں آپ سے چند قدم کے فاصلے پر وکٹوریہ ہسپتال میں پڑی ہوں اگر آپ رحم کریں تو میری اس معصوم بچی کو جو چھ برس کی جان اور میرے ساتھ ہسپتال میں ہے اپنی پرورش میں لے لیجئے۔''۲۴

افسانہ ''شادی کی ندامت'' میں راشد الخیری ہمارے معاشرے میں ماں باپ کو اولاد کا خیر خواہ سمجھا جاتا ہے مگر بعض اوقات جذبات اور نا سمجھی میں نوجوان ان کی رائے کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ماں باپ سے پوچھے بغیر بھاگ کر شادی کرنا اکثر زندگی بھر کی ندامت اور پچھتاوے کا سبب بن جاتا ہے۔ یہی ندامت اس موضوع کا بنیادی المیہ

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

ہے۔اس افسانہ ''شادی کی ندامت''میں راشد الخیری نے ایک ایسی لڑکی کا المیہ بیان کیا ہے جس کے لیے وقتی محبت اور جوش میں کیا گیا فیصلہ وقت کے ساتھ ایک بوجھ بن جاتا ہے۔وہ اپنے والدین کی رضامندی کے بغیر بھاگ کر شادی تو کر لیتی ہے،لیکن جب زندگی کے مسائل سامنے آتے ہیں تو نہ والدین کی سرپرستی میسر ہوتی ہے اور نہ خاندانی سہارا۔ ایسے میں انسان کو شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اس نے ضد اور نادانی میں اپنی خوشی خود برباد کر لی ہے۔

راشد الخیری نے اس افسانے میں جذبات کے غلبہ کو بیان کیا ہے لڑکی جذبات میں آکر فیصلہ تو لے لیتی ہے کچھ عرصے کے بعد اس کو اپنے اس فیصلے پر پیش ماں ہونا پڑتا ہے۔وہ جس مرض سے شادی کرتی ہے اپنے ماں باپ کی رضامندی کے بغیر وہی شخص اس پر تشدد کرتا ہے اس قدر تشدد کہ بے ہوشی کی حالت میں چلی جاتی ہے۔اس افسانے میں محبت کا بدلتا ہوا رنگ بھی نظر آتا ہے محبت جو پہلے کس قدر شدید ہوتی تھی اور شادی کے بعد وہی محبت پھیکی پڑ جاتی ہے اور محبت کی جگہ نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ مردوں کی بے وفائی بھی نظر آتی ہے جو مرد پہلے ایک لڑکی کو محبت کے خواب دکھاتا ہے اس کے ساتھ اس کی محبت دکھاوا ہوتی وہ مرد عورت کے ساتھ صرف جنسی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے۔وہی مرد اس لڑکی کے سامنے جو اس کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ کر اس کے ساتھ چلی آتی ہے اس کے سامنے چار پانچ زندگیاں برباد کر چکا ہوتا ہے۔

اس افسانے میں مامتا کی محبت کا المیہ بھی بیان کیا گیا ہے جس ماں کو اپنی بیٹی کی ایسی حالت کا معلوم ہوتا ہے تو ایک دردناک چیخ ماری اور بے ہوشی ہو کر گر پڑی اور یہ بے ہوشی اس کی آخری بے ہوشی ہوتی ہے جس کے بعد اس کو ہوش نہیں آتا۔ماں باپ سے اجازت لیے بغیر بھاگ کر شادی کرنا اکثر خوشیوں کی بجائے دکھ،تنہائی اور ندامت میں بدل جاتا ہے۔یہ عمل انسان کی زندگی کو ایک خاموش المیے میں تبدیل کر دیتا ہے،جو آخر تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔راشد الخیری کا افسانہ ''کیا لڑکیوں کی پیدائش ماں کا قصور ہے؟''سے المیہ کی ایک تحریر:

> ''آج میری شادی کو گیارہ برس ہو گئے اس عرصہ میں میرے ہاں سات لڑکیاں ہوئیں جن میں سے چھ زندہ ہیں دو مہینہ سے میرے کان میں بھی یہ آوازیں آتی ہیں کہ اس عورت سے چونکہ لڑکیاں پیدا ہوئیں اس لیے میرے شوہر کو دوسرا نکاح کرنا چاہیے کہ لڑکا ہو۔یہ بات اب تک میں نے کسی ذمہ دار آدمی سے نہ سنی تھی،مگر دس بارہ روز کا عرصہ ہوا کہ خود شوہر صاحب نے فرمایا کہ۔بغیر لڑکے کے خاندان کا نام زندہ نہیں رہ سکتا اور ایسی حالت میں کہ میرا کوئی بھائی بھی نہیں ہے میرے بعد خاندان ختم ہو گا۔ضرور ہے کہ میں خاندان کو زندہ رکھنے کے واسطے دوسرا نکاح کروں۔''۲۵

اس افسانہ میں راشد الخیری نے برصغیر کے روایتی معاشرے میں عورت کی اس الم ناک صورتِ حال کو اجاگر کیا ہے جہاں اس کی حیثیت کو اولاد کے بجائے صرف بیٹے کی پیدائش سے وابستہ کر دیا جاتا ہے۔گیارہ برس کی ازدواجی زندگی اور سات بیٹیوں کی ماں ہونے کے باوجود عورت کو عزت،محبت اور تحفظ میسر نہیں آتا بلکہ اسے اس احساسِ جرم میں مبتلا کر دیا جاتا ہے کہ خاندان کے لیے وارثِ مذکر پیدا نہ کر سکنا اس کی ناکامی ہے۔یہی احساس اس افسانہ کے بنیادی المیے کو تشکیل دیتا ہے۔

المیاتی نقطۂ نظر سے عورت کا سب سے بڑا کرب یہ ہے کہ وہ ایک ایسے الزام کا بوجھ اٹھا رہی ہے جس پر اس کا کوئی اختیار نہیں۔معاشرہ اور خاندان دونوں اس کے وجود کو بیٹے کی عدم موجودگی کے تناظر میں پرکھتے ہیں۔شوہر کا دوسری شادی کے ارادے کا اظہار نہ صرف ازدواجی تعلق کے عدم استحکام کو ظاہر کرتا ہے بلکہ عورت کے جذباتی اور نفسیاتی انہدام کی علامت بھی ہے۔اس لمحے عورت کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کی برسوں کی وفاداری،محبت اور قربانی اس سماجی تعصب کے سامنے بے معنی ہو چکی ہے۔

اس افسانہ میں نفسیاتی اذیت کا پہلو بھی نہایت نمایاں ہے۔راویہ پہلے ہی معاشرتی سرگوشیوں اور طعنوں سے پریشان ہے،لیکن جب شوہر خود دوسری شادی کو خاندان کی بقا کا ذریعہ قرار دیتا ہے تو اس کے اندیشے حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔یہ صورتِ حال اس کے باطنی اضطراب،خوف اور عدم تحفظ میں اضافہ کرتی ہے۔قاری عورت کی بے بسی کو محسوس کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہمدردی کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے،جو المیے کا بنیادی تقاضا ہے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

اس افسانہ میں مردانہ بالادستی پر قائم سماجی نظام کی ایک تلخ تصویر پیش کرتا ہے۔ خاندان کے نام اور نسل کی بقا کا تصور عورت کے جذبات اور حقوق پر فوقیت حاصل کر لیتا ہے۔ یوں عورت محض ایک انسان نہیں بلکہ ایک سماجی ضرورت کے طور پر دیکھی جاتی ہے۔ راشد الخیری اس رویے کے ذریعے اس معاشرتی ناانصافی کو بے نقاب کرتے ہیں جس نے عورت کو صدیوں سے ذہنی اور جذباتی استحصال کا شکار بنا رکھا ہے۔ اس افسانے میں ماں پر ذہنی و جذباتی تشدد، مردانہ بالادستی فرسودہ سماجی سوچ، معصوم بچیوں کی حق تلفی کا المیہ نظر آتا ہے۔ اس طرح کے اُن کے کئی ایسے افسانے ہیں جن میں دُکھ، درد، الم اور قرب مختلف صورتوں میں قارئین کے سامنے آتا ہے۔

۲۔ اختتامیہ

راشد الخیری کے افسانوں میں المیاتی عناصر کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ ان کے افسانوی ادب میں غم، درد، محرومی، بے بسی اور جذباتی کرب کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے ہاں المیہ محض کسی فرد کی ذاتی پریشانی یا زندگی کے کسی ناخوش گوار واقعے کی عکاسی نہیں کرتا، بلکہ اس کے پس منظر میں موجود معاشرتی رویوں، فرسودہ روایات اور غیر منصفانہ نظام کی نشان دہی بھی کرتا ہے۔ وہ انسانی زندگی کے ان گوشوں کو موضوع بناتے ہیں جہاں فرد، بالخصوص عورت، معاشرتی پابندیوں اور روایتی تصورات کے باعث اپنی خواہشات، جذبات اور ضروریات کو دبانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے ان کے افسانوں میں المیاتی کیفیت انفرادی تجربے سے آگے بڑھ کر اجتماعی زندگی کے مسائل کی ترجمان بن جاتی ہے۔ یہی وصف ان کی افسانہ نگاری کو محض جذبات نگاری تک محدود نہیں رہنے دیتا، بلکہ اسے معاشرتی شعور اور اصلاحی فکر سے بھی وابستہ کرتا ہے۔

راشد الخیری کے افسانوں میں خواتین کے کردار المیاتی عناصر کے اظہار کا ایک اہم وسیلہ ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعے عورت کی محرومی، اس کے جذبات کی ناقدری، تعلیم سے دوری، گھریلو زندگی کی مشکلات اور معاشرتی ناانصافیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ان کے افسانوں میں رقت آمیز واقعات، دکھ بھری کیفیات اور کرداروں کی داخلی اذیت قاری کے احساسات کو متاثر کرتی ہے اور اس کے اندر ہمدردی و احساسِ ذمہ داری پیدا کرتی ہے۔ تاہم ان کے فن کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ پہلو بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ المیاتی کیفیت کی شدت، جذباتی اندازِ بیان اور اصلاحی مقصد ان کی فنی تشکیل میں کس حد تک معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس تناظر میں ان کی افسانہ نگاری کا تنقیدی جائزہ نہ صرف ان کے اسلوب اور کردار نگاری کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ ان کی تحریروں میں موجود معاشرتی شعور اور انسانی ہمدردی کی نوعیت کو بھی واضح کرتا ہے۔

حاصلِ مطالعہ یہ ہے کہ راشد الخیری کے افسانوں میں المیاتی عناصر کو ان کی ادبی فکر، اصلاحی مقصد اور معاشرتی مشاہدے سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ان کے افسانوں میں غم و الم کی عکاسی کا بنیادی مقصد انسانی دکھوں کو نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ ان اسباب کی طرف توجہ دلانا بھی ہے جو فرد کی زندگی کو کرب ناک بناتے ہیں۔ عورت کے مسائل کو موضوع بنا کر انھوں نے اپنے عہد کے معاشرتی رویوں اور روایتی تصورات پر سوال اٹھایا اور انسانی ہمدردی کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ اگرچہ ان کے افسانوں میں رقت اور جذباتیت کی نمایاں موجودگی بعض مقامات پر ان کے اصلاحی رجحان کی شدت کو ظاہر کرتی ہے، تاہم یہی خصوصیت ان کی ادبی شناخت کا اہم حصہ بھی ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ راشد الخیری کے افسانوں میں المیاتی عناصر محض غم انگیز فضا پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ معاشرتی ناانصافیوں کی نشان دہی، انسانی احساسات کی ترجمانی اور اصلاحِ معاشرہ کی کوشش کا مؤثر وسیلہ ہیں۔ ان کے افسانوی ادب کا یہ پہلو اردو افسانے میں انسانی ہمدردی، عورت کے مسائل اور معاشرتی اصلاح کے مطالعے کے لیے خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ زیرِ نظر تحقیقی مقالے میں ہم نے ان کے چیدہ چیدہ افسانوں کا "المیاتی عناصر" کے حوالے سے مطالعہ پیش کیا ہے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

حوالہ جات

۱۔ نجم السحر اعظمی، راشد الخیری شخصیت اور ادبی خدمات، دہلی: کلر پریس، ۲۰۰۰، ص ۸۸

۲۔ راشد الخیری، گوہر مقصود، لاہور: دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۱۸، ص ۲۸

۳۔ مرزا حامد بیگ، اردو افسانے کی روایت، دہلی: مونی پرنٹنگ پریس، ۲۰۱۴، ص ۴۱

۴۔ راشد الخیری، گوہر مقصود،، ص ۱۸

۵۔ ایضا، ص ۱۸

۶۔ راشد الخیری، طوفان اشک،، دہلی: عصمت بک ایجنسی، ۱۹۴۸، ص ۹

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، مختصر اردو افسانہ: عہد بہ عہد، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۲، ص ۷۱

۸۔ راشد الخیری، طوفان اشک، ص ۱۳

۹۔ مجنوں گورکھ پوری، ادب اور زندگی، علی گڑھ: اردو گھر، ۱۹۸۴، ص ۲۵۶

۱۰۔ راشد الخیری، طوفان اشک، ص ۲۰

۱۱۔ ایضا ص ۳۰

۱۲۔ سلیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۴، ص ۶۱۸

۱۳۔ راشد الخیری، طوفان اشک،، ص ۳۷

۱۴۔ نجم السحر اعظمی، راشد الخیری: شخصیت اور ادبی خدمات، دہلی: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۰، ص ۸۲

۱۵۔ راشد الخیری، طوفان اشک، ص ۵۴

۱۶۔ راشد الخیری، طوفان اشک، ص ۶۵

۱۷۔ آل احمد سرور، ادب اور نظریہ، لکھنو: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۰۴، ص ۴۷

۱۸۔ راشد الخیری، گرداب حیات، دہلی: عصمت بک ایجنسی، ۱۹۳۶، ص ۱۲

۱۹۔ زیب النسا، راشد الخیری کا نظریہ تعلیم نسواں، دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۲۰، ص ۸۶

۲۰۔ راشد الخیری، گرداب حیات، ص ۲۷

۲۱۔ ایضا ص ۴۰

۲۲۔ مرزا حامد بیگ، اردو افسانے کی روایت، دہلی: مونی پرنٹنگ پریس، ۲۰۱۴، ص ۴۷

۲۳۔ راشد الخیری، گرداب حیات، ص ۵۶

۲۴۔ ایضا، ص ۹۱

۲۵۔ ایضا، ص ۱۰۵